© rasailojaraid.com

رجل صالح

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

ذاتی طور پر متعارف شخصیات کے حالات زندگی پر قلم اٹھانا نسبتاً آسان ہے مگر جن شخصیات سے زندگی بھر ملاقات ہی نہ ہوئی ہو ان کے متعلق کچھ لکھنا یقیناً ایک مشکل امر ہے۔ آئندہ سطور ایک ایسی شخصیت کے متعلق ہدیہ قارئین کی جا رہی ہیں جس سے دفتر احرار لاہور اور چناب نگر میں متعدد مرتبہ حاضری کے باوجود بالمشافہ ملاقات تو نہ ہو سکی البتہ اس سے روحانی، علمی و ادبی تعلق ضرور رہا ہے۔

ایک مرتبہ نقیب ختم نبوت میں ان کے دورۂ بالاکوٹ سے متعلق روداد پڑھی تو اس بات پر سخت افسوس ہوا کہ اُن کے راستے میں ہونے کے باوجود آتے جاتے ہوئے ''میزبانی'' کے شرف سے کیوں محروم کیا گیا؟ جس پر بھائی سید محمد کفیل بخاری سے ٹیلی فون پر باقاعدہ ''احتجاج'' بھی کیا گیا۔ اس طرح ملاقات کا ایک آسان موقع بھی نصیب نہ ہو سکا۔

۱۶/ نومبر ۲۰۰۹ء کو موبائل پر خود بھائی محمد کفیل بخاری کی طرف سے پروفیسر ذوالکفل بخاری کے حادثۂ ارتحال سے متعلق ایک روح فرسا پیغام موصول ہوا تو دل مسوس کر رہ گیا اور دیر تک کلمۂ ''استرجاع'' کا ورد جاری رہا۔ بعد میں اسی دن فون پر ان سے تعزیت کر دی پھر ۲۰/ نومبر کو خطبۂ جمعہ میں مرحوم کے واقعۂ شہادت اور سفر آخرت کی کچھ تفصیل بیان کر کے ان کے درجات کی بلندی کے لیے اجتماعی دعا کرائی۔ اس کارروائی سے ایک گونہ اطمینان ہو گیا اور کچھ لکھنے کا خیال ترک کر دیا۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ شہید کی یاد میں ادارہ نقیب ختم نبوت ایک خصوصی اشاعت کا اہتمام کر رہا ہے تو ان کی یاد تو کیا خود اپنی ''یاد'' کو محفوظ بنانے کے لیے قلم اٹھا لیا کہ کہیں یہ سنہری موقع بھی ضائع نہ ہو جائے۔ شمسی کیلنڈر کے اعتبار سے شہید کی کتاب حیات (از ۱۰/ دسمبر ۱۹۶۹ء تا ۱۵/ نومبر ۲۰۰۹ء) پچیس دن کم چالیس بہاروں پر مشتمل ہے۔ جب کہ اسلامی کیلنڈر کی رو سے اکتالیس بہاریں شمار ہوتی ہیں۔ یقیناً ان میں کچھ ''خزاؤں'' کی بھی آمیزش ہو گی جو اہلِ حق کا سرمایۂ حیات متصور ہوتی ہیں۔

موصوف عمر کے لحاظ سے قرآنی اصطلاح میں ''اشُدّ'' (۳۰ تا ۴۰ سال) کی حد کو عبور کر چکے تھے جسے مفسرین و محدثین نے کمال عقل و کمال قوت وتمیز کی عمر قرار دیا ہے مگر پروفیسر سید محمد وکیل شاہ صاحب بخاری زید مجدہ نے تو شہید کی ولادت کے بعد ایک پیغمبر کے اسم گرامی پر ''ذوالکفل'' نام تجویز کیا تھا۔ قرآن عزیز میں یہ نام دو مرتبہ (سورۃ الانبیاء آیت ۸۵ سورۃ صٓ آیت ۴۸ میں) آیا ہے۔ موخر الذکر آیت میں یہ حکم دیا گیا کہ: **وَاذْکُر اِسمٰعِیلَ وَالیَسَعَ وَذَالکِفلِ وَکُلٌّ مِنَ الاَخْیار** (اور یاد کرو اسمٰعیل، الیسع اور ذوالکفل (کے واقعات) کو، اور یہ سب بہترین لوگوں میں سے ہیں۔) اور عجیب اتفاق ہے کہ سورۃ صٓ کی موجودہ اور نزولی ترتیب کا نمبر ۳۸ ہے (یہ ملحوظ رہے کہ سورۃ نوح ۷۱ اور سورۃ الانفطار ۸۲ کی ترتیب بھی ایک جیسی ہے) جس کا عدد موصوف کی عمر کے قریب قریب ہے۔ اکثر علمائے تفسیر کے نزدیک ذوالکفل ایک پیغمبر کا نام ہے جب کہ بعض کے نزدیک وہ پیغمبر نہیں تھے بلکہ ایک مردِ صالح تھے۔ قرآنِ عزیز نے بھی اُنھیں جہاں **کُلٌّ مِنَ الاَخْیار** کہا وہاں اُنھیں **انھم من الصّٰلحین** بھی قرار دیا۔ (سورۃ الانبیاء آیت ۸۶)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شہید کے ماموں اور خسر پیرجی سید عطاء المہیمن بخاری نے بھی برموقعِ تعزیت فرمایا کہ اپنی عمر کے اعتبار سے ہمارے خاندان کا وہ صالح ترین نوجوان تھا۔ (نقیب ختم نبوت ص۲۶، دسمبر ۲۰۰۹ء) گویا قرآنِ عزیز نے ذوالکفل پیغمبر کو صالح کہا اور اُن کے نام پر جس کا نام رکھا گیا اُسے سب سے زیادہ قریب سے جاننے والے نے بھی ''صالح ترین'' ہی قرار دیا۔ موصوفؒ کے آئینۂ اخلاق میں امانت و دیانت، اخلاص وخشیت، عفو و درگزر، تواضع و فیاضی، حمیت دینی اور مہمان نوازی کا عکس نمایاں نظر آتا ہے۔ اس لیے ان کے نام کی مماثلت و برکت، حالات زندگی، حضرت پیرجی کی شہادت اور سب سے بڑھ کر ان کے حسن انجام کے پیش نظر اپنے تاثرات قلمبند کرنے کے لیے ''رجل صالح'' کے عنوان کو ہی ترجیح دی گئی۔

لغت میں اگرچہ ''الکفل'' کے بہت سے معانی ہیں لیکن حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ذوالکفل پیغمبر کے حالات میں بحوالۂ ابن کثیر ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے آخر میں لفظ ''ذوالکفل'' کے متعلق لکھا ہے کہ: ''ایسا شخص جو اپنے عہد اور ذمہ داری کو پورا کرے۔'' (معارف القرآن جلد۶ ص۲۱۹) اِس توجیہہ کے اعتبار سے بھی موصوفؒ اسم بامسمیٰ تھے۔ انھوں نے اپنے عہد اور ذمہ داری کو خوب نبھایا۔

نام کی تاثیر سے انکار ممکن نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ''ذوالکفل'' نام نے اُن کی شخصیت کے ہر ہر پہلو پر اپنا اثر دکھایا ہے۔ بالخصوص ذہانت و فطانت کی صفت ایسی تھی کہ اپنے پرائے سبھی اس کے قائل ومعترف تھے۔ ان کی غیر معمولی ذہانت و فطانت کا اظہار کرتے ہوئے جانشینِ امیر شریعت حضرت ابومعاویہ ابوذر سید عطاء المنعم شاہ بخاریؒ کے نوکِ قلم پر ''چشمِ بددور'' کے الفاظ آگئے (تحت مقدمہ۔ مشاہداتِ قادیان)

پروفیسر ذوالکفل بخاریؒ پر ان کے نام کا ایک اثر یہ بھی مرتب ہوا کہ وہ ''نکتہ نواز، نکتہ پرور، نکتہ سنج، نکتہ داں، نکتہ شناس اور نکتہ رس'' ثابت ہوئے۔

۱۹۹۶ء میں محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت میں جہانگیر بدر کے پاس وزارتِ مذہبی امور کا قلمدان تھا۔ میاں نواز شریف ان دنوں اپوزیشن لیڈر کی حیثیت سے حکومت کے خلاف احتجاجی ریلیاں نکالنے میں مصروف تھے۔ جہانگیر بدر نے دھمکی دیتے ہوئے جواباً کہا کہ ''ہم ریلیوں سے ڈرنے والے نہیں ہیں۔ میں تو ''ریلی'' میں ہی پیدا ہوا ہوں۔'' اِس پر جو نکتہ رسی پروفیسر موصوفؒ نے کی وہ کسی کے حاشیۂ ذہن میں بھی نہیں آسکتی تھی۔ چنانچہ اُنھوں نے اِس خبر پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

> میدانِ جنگ میں پیدا ہونے والے کو ہندی میں ''رن جن'' کہتے ہیں۔ جہانگیر بدر وزیرِ مذہبی امور نے اعتراف کیا ہے کہ وہ ''ریلی'' میں پیدا ہوا۔ اِس طرح وہ ''ریلی جن'' ہوگیا۔ انگریزی میں یہ لفظ مذہب کے ہم معنی ہے۔ اِس طرح وزارتِ مذہبی امور اس کا پیدائشی حق ہوگیا ہے۔ اب اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ (روزنامہ نوائے وقت ۳۰/ اکتوبر ۱۹۹۶ء، تحت کالم سرِ راہے زیرِ عنوان ''رن جن'')

پروفیسر ذوالکفل بخاریؒ اگرچہ ضابطے کے عالم نہ تھے مگر بقول مولانا محمد ازہر وہ ''حقیقتاً'' عالم تھے۔ وہ ایم اے انگریزی، ایم اے اردو، بی ایڈ، ایل ایل بی، نمل یونیورسٹی اسلام آباد سے انگلش لینگویج اور علامہ اقبال یونیورسٹی سے TEFL کی اسناد کے حامل اور ممتاز ادیب، مقرر، شاعر، دانشور، فلسفی، لغت نویس اور ایک مشفق وقابل استاد تھے۔ موصوفؒ نے راقم الحروف کی دو کتابوں (اہلِ بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کون؟ اور تذکرہ خلیفۂ راشد امیرالمؤمنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ) پر ایسے جان دار تبصرے لکھے ہیں جن سے ان کی علمی وسعت، عقیدے کی پختگی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایسی والہانہ محبت وعقیدت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے جس کی توقع کسی دیوبندی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عالم (الا ماشاء اللہ) سے بھی نہیں رکھی جاسکتی۔ یقیناً یہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کا اثر ہے جو لسانِ نبوت سے سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے لیے کی گئی تھی: **ان ابنی هذا سید لعل الله ان یصلح به بین فئتین عظیمتین من المسلمین.** (**صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب قول النبی للحسن بن علی رضی الله عنهما** ......) میرا یہ بیٹا (نواسہ) سید ہے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرادے گا۔ جس طرح اس وقت صلح حسن رضی اللہ عنہ سے یہودیوں، مجوسیوں، منافقوں، تفرقہ بازوں، ابنِ اُبَیّ اور ابنِ سبا کے تربیت یافتہ مفسدوں کی امیدوں پر اوس پڑگئی تھی اسی طرح آج ذریتِ حسن رضی اللہ عنہ میں خانوادہ امیر شریعتؒ کے ہر ہر فرد نے دفاعِ معاویہ رضی اللہ عنہ کا فریضہ سرانجام دے کر دشمنانِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو مایوس ہی نہیں کیا بلکہ ان کے ''کس بل'' بھی نکال دیے۔

پروفیسر ذوالکفل بخاری کتاب وسنت کی روشنی میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا مقام بیان کرنے کے بعد کس جرات و بے باکی کے ساتھ لکھتے ہیں:

> حیف! صد حیف! کہ آج بڑے بڑے مدعیانِ اسلام پر بے توفیقی غالب آرہی ہے۔ ''سبّ'' کا ارتکاب ہو رہا ہے۔ ''غلو'' کا اظہار ہو رہا ہے اور کوئی پوچھنے والا نہیں...... مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟ ایسے ماحول میں فاضلِ اجل محترم قاضی محمد طاہر علی الہاشمی کی یہ تازہ تالیف غیرتِ ایمانی کا ایسا اظہار ہے جس میں دانشِ نورانی اور دانشِ برہانی بکمال وتمام موجود ہیں۔ ایسی کتاب کی تحسین کا حق چند سطروں بلکہ چند صفحوں میں بھی ادا نہیں ہوسکتا۔ اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ قاضی صاحب زید مجدہم یقیناً صاحبِ توفیق بزرگ ہیں۔ ان کے توفق میں اور ان کے موفق ہونے میں کوئی خارجی، ناصبی اور سبائی ہی کلام کرسکتا ہے۔ اور اُسے ایسا کرنا بھی چاہیے کیونکہ اسے تو امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافتِ راشدہ میں رکنیتِ غیر راشدہ اور ان کے تفقہ و اجتہاد میں خطاءِ اجتہادی یا خطاءِ عنادی نظر آتی ہے، کبھی صورتاً اور کبھی حقیتاً۔ کتاب علمی اور تحقیقی ہے۔ ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ نے نہایت اصولی مقدمہ لکھ کر اس کی اہمیت میں اضافہ کردیا ہے۔ زبان شستہ ورفتہ ہے۔ (ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ص ۵۷، ۵۸؛ جنوری ۱۹۹۶ء)

موصوفؒ ۱۹۹۴ء میں اہلِ بیتِ رسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم کون؟ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> اِس کتاب کے سرورق پر ایک چھوٹی سے سطر، کچھ غیر نمایاں سی، کچھ دبی ہوئی اور کچھ بھنچے ہوئے اندازِ کتابت کے ساتھ چھپی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ یہ ایک سطر کتاب کے لیے تعارف ہی نہیں ''تبصرے'' کا بھی کام دے رہی ہے۔ لکھا ہے کہ ''ایک منفرد، تاریخی، علمی اور تحقیقی شاہکار'' آج جب کہ تاریخ، علم اور تحقیق سے انصاف کرنے والے لوگوں کا دور گویا لد چکا ہے اور پروپیگنڈہ کی ''چمک'' کا شکار ہونے والے خیرہ چشموں کی تعداد روز افزوں ہے کوئی کتاب محنت، لگن، اخلاص اور دیانت سے لکھی جائے تو یہ غنیمت نہیں بسا غنیمت ہے اور ایسی کتاب کہیں دکھائی دے بلکہ نظر نواز ہو تو یوں لگتا ہے......
>
> جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آ جائے
> جیسے صحراؤں میں ہولے سے چلے بادِ نسیم
> جیسے بیمار کو بے وجہ قرار آ جائے
>
> محترم قاضی محمد طاہر علی الہاشمی ایک کالج میں پروفیسر ہیں، ایک مسجد میں خطیب ہیں ایک سے زائد کتب کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مؤلف ہیں (اب الحمدللہ مختلف موضوعات پر تبصرہ کتب شائع ہوچکی ہیں) بیک وقت مؤرخ، معلم اور محقق ہیں۔ ہر جگہ کامیاب، ہر جگہ ارجمند۔

ہاشمی صاحب نے روانی، سلاست اور متانت کے ساتھ پوری کتاب میں حقائق کو الم نشرح کیا ہے۔ انھوں نے تفسیر، لغت، حدیث، سیرت، عقائد واسماء الرجال، فقہ اور سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم کے حوالے سے تقریباً ایک سو کتب کھنگالنے کے بعد قلم اٹھایا تو ایک ایک ابہام کو ختم کرتے، اشکال کو رفع کرتے، الجھن کو سلجھاتے اور اپنے موقف کو محکم کرتے چلے گئے۔ ان کا طرزِ فکر، طرزِ تحقیق، طرزِ استدلال اور طرزِ تحریر سب ہی راستی اور راست روی سے عبارت ہیں۔ نتیجتاً اُنھیں سبائیوں کی تلبیسات، بریلویوں کے تضادات اور دیوبندیوں کے تسامحات پر گرفت کرنے میں میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔

اصلاحِ عقائد بہت نازک مگر بہت اہم کام ہے اور یہ بات باعثِ مسرت ہی نہیں بلکہ قابلِ رشک بھی ہے کہ ہمارے ممدوح مولف نے اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اہم عنوان پر اصول وعقائد کی بنیاد پر جو گفتگو کی ہے اُس میں مسلّمات اور مسلّمہ تصریحات کو کمال عمدگی سے بے غبار کیا ہے۔

کتاب کا مقدمہ مولانا محمد سعید الرحمٰن علویؒ کے قلم سے ہے، اور یہ شاید اُن کی آخری تحریر ہے۔ (موصوف ۲۰/ اکتوبر ۱۹۹۴ء کو وفات پا گئے۔) آہ یہ اسلوب اب کہیں دیکھنے کو نہ ملے گا...... اِک دھوپ تھی کہ ساتھ گئی آفتاب کے۔ یہ کتاب ہر اعتبار سے یادگار ہے اور ہر لحاظ سے شاہکار۔

(ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ملتان، ص ۵۵، ۵۶۔ دسمبر ۱۹۹۴ء)

جی چاہتا ہے کہ موصوف کے وہ ریمارکس جو اُنھوں نے علامہ سعید الرحمٰن علویؒ کے اسلوب پر دیے تھے، خود اُن ہی کی طرف لوٹا دیے جائیں کیونکہ وہ بجاطور پر خود اِن ریمارکس کے مستحق ہیں اور اِسی سفر پر روانہ بھی ہو چکے ہیں۔ ''اِک دھوپ تھی کہ ساتھ گئی آفتاب کے۔''

راقم الحروف نے کافی عرصہ پہلے بھائی محمد کفیل بخاری سے درخواست کی تھی کہ ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت میں شائع ہونے والے اداریے اِس عنوان (یعنی دل کی بات) سے ہی کتابی صورت میں شائع کردیے جائیں۔ انھوں نے وعدہ بھی فرمایا تھا مگر وہ اپنی دیگر مصروفیات کی وجہ سے اس طرف توجہ نہ دے سکے۔ اب اُن سے یہ اضافی استدعا ہے کہ پروفیسر ذوالکفل بخاری شہید کی جملہ تحریری کاوشیں بالخصوص مختلف کتب پر ان کے تبصرے علیحدہ کتابی صورت میں شائع کردیے جائیں۔

جناب سید محمد کفیل بخاری نے لکھا ہے: والد ماجد مدظلہ نے بڑی چاہت اور محبت سے ان کا نام اللہ تعالیٰ کے ایک پیغمبر حضرت ذوالکفل علیہ السلام کے نام پر رکھا۔ اللہ تعالیٰ کو اُن کی چاہت اور محبت ایسی پسند آئی کہ اُس نے نہ صرف نام کی معنوی مناسبتیں عطا کیں بلکہ حسنِ انجام کے اعتبار سے اس عظیم نعمت سے بھی نواز دیا جس سے حضرت اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل علیہم السلام کو نوازا تھا۔ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِدۡرِيۡسَ وَذَاالۡكِفۡلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيۡنَ ٥ وَاَدۡخَلۡنٰهُمۡ فِىۡ رَحۡمَتِنَا ؕ اِنَّهُمۡ مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ (الانبیا: ۸۵، ۸۶) اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل علیہم السلام یہ سب صابر لوگ تھے۔ ہم نے اِنھیں اپنی رحمت میں داخل کرلیا۔ یہ سب لوگ نیک تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پروفیسر ذوالکفل بخاری صابر اور صالح تھے اور اللہ تعالیٰ نے بھی اُنھیں اپنی رحمت میں داخل کرلیا۔ اُملج سے جامعہ ام القریٰ میں تقرری ہی ''رحمت'' میں داخل ہونے کی نوید تھی۔ اِس نام کی یونیورسٹی اگر کسی اور شہر میں بھی واقع ہوتی تو محض ''نسبت'' بھی سعادت تھی، لیکن اِس یونیورسٹی کا نام بھی ام القریٰ تھا اور واقع بھی ام القریٰ ہی میں تھی۔

قرآن مجید میں اِس شہر کے جہاں دوسرے نام (البلد، البلدۃ، بلدالامین، بیت العتیق، بیت الحرام، حرم آمن، وادی غیر ذی ذرع، معاد، قریۃ، المسجد الحرام، مکۃ، بکۃ) آئے ہیں وہاں اِسے ام القریٰ سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو سورۃ الانعام، آیت ۹۲؛ سورۃ الشوریٰ، آیت ۷۔

موصوف اگر وہاں دورانِ درس وتدریس طبعی طور پر رحلت کرجاتے تو بھی اُنھیں دوہری شہادت نصیب ہوتی کیونکہ آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ دین حاصل کرنے والا طالب علم یا حالتِ سفر میں وفات پاجانے والا مسافر بھی شہید کا درجہ پائے گا۔ لیکن حادثہ کی موت سے اُنھیں تہری شہادت نصیب ہوئی ہے۔

بوقتِ شہادت، انگشتِ شہادت آسمان کی طرف بلند کرکے کلمۂ شہادت کی تلاوت اِس پکارِ الٰہی کا جواب ہے کہ: **یا یتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبٰدی وادخلی جنتی** (سورۃ الفجر، آیت ۲۷-۳۰) اے نفسِ مطمئن واپس چلو اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی (اور) وہ تجھ سے راضی۔ پس شامل ہوجاؤ میرے (خاص) بندوں میں اور داخل ہوجاؤ میری جنت میں۔

موصوف ان لوگوں میں شامل ہوگئے ہیں جن کے متعلق کہا گیا کہ: **عاشَ سعیداً وَّماتَ شَھیداً**۔

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم کہ بہار آخر شد

یہ کیا کم خوش نصیبی ہے کہ جہاں موصوف زندگی میں بوقتِ تہجد کعبہ معظّمہ کے سامنے بیٹھ کر نماز کے لیے انتظار کرتے تھے وہاں ۱۶/ نومبر ۲۰۰۹ء کو اُن کا جسدِ خاکی تہجد کے وقت سے ہی نمازِ جنازہ کا منتظر ہے۔ نمازِ فجر کی ادائیگی کے فوراً بعد الصلوٰۃ علی المیت کے اعلان کے ساتھ ہی تقریباً بیس لاکھ فرزندانِ توحید نے نمازِ جنازہ ادا کی۔ نمازِ جنازہ کے بعد جسدِ خاکی کو تدفین کے لیے جنت المعلیٰ لایا گیا جو ام القریٰ دو احاطوں پر مشتمل بڑا اور قدیمی قبرستان ہے۔ چونکہ یہ قبرستان ام القریٰ کے محلّہ ''المعلاۃ'' میں واقع ہے اس لیے اِسے جنت المعلیٰ کہا جاتا ہے۔ اِس قبرستان میں ام القریٰ میں وفات پانے والے عہدِ اوّل سے آج تک مدفون ہیں جن میں اہلِ بیت (ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا، سید قاسم، سید عبداللہ رضی اللہ عنہما، صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین اور ہزاروں اولیاء وصلحاء شامل ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس قبرستان کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ''یہ قبرستان کیا ہی اچھا ہے۔'' (مسند احمد، مجمع الزوائد)۔ موصوف کی تدفین بھی اِسی قبرستان کے احاطۂ بنی ہاشم میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے قدمین میں عمل میں آئی۔ ذوالکفل نام نے کیا کیا رحمتیں اور برکتیں سمیٹی ہیں، اِس کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔

ذیقعد میں شہادت کے مرتبہ پر فائز ہونے والے ذوالکفل نے اِس مہینے کے ساتھ ایک گونہ معنوی مناسبت قائم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرلی۔ یہ اسلامی سال کا گیارھواں قمری مہینہ ہے۔ اِس کے لغوی معنی بیٹھنے والے کے ہیں۔ چونکہ عرب اِس مہینے میں اِس کے اشہرِ حرم میں سے ہونے کی وجہ سے اپنے تمام تنازعات اور مناقشات ختم کر کے اپنے گھروں میں بیٹھ جایا کرتے تھے اِس لیے اِس کو ذیقعد کہہ دیا گیا۔ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چار میں سے تین عمروں کا احرام اسی مہینہ میں باندھا۔ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ حج کی فرضیت کے بعد بحکمِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیتِ امیرِ حج اِسی مہینہ میں روانہ ہوئے اور اگلے سال ۱۰ھ میں ایک روایت کے مطابق ۲۶/ ذیقعد کو خود نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پہلے اور آخری حج کی ادائیگی کے لیے روانہ ہوئے۔ پروفیسر ذوالکفل بخاری بھی اِسی اشہرِ حرام (ذیقعد) اور بلدالحرام میں تمام امور سے دست بردار ہوکر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بیٹھ گئے اور بمصداق کل شیءٍ یرجع الیٰ اصلہٖ　وہ اپنی اصل کی طرف لوٹ گئے۔　ع　پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

یہ صدا کتنی سچی ثابت ہوئی کہ: **یا دنیا اسمعی یا اھل موقف عرفة اشھدوا...... حبی لمکه لا ینقطع و تعظیمی لمکة موصول مادامت الروح لم تبلغ الحلقوم...... مکة اسم خالد فی قلبی۔** اے دنیا تو سن لے، اے میدانِ عرفات میں وقوف کرنے والو، گواہ ہوجاؤ، مکہ مکرمہ سے میری محبت ختم نہیں ہوسکتی اور میرا مکہ مکرمہ کی تعظیم بجا لانا روح کے حلق سے پرواز کرنے تک باقی ہے۔ مکہ مکرمہ میرے دل میں ہمیشہ باقی رہنے والا ایک نام ہے۔ آج وہی مکہ مکرمہ موصوف کی آخری آرام گاہ بن گیا۔ اُن کی روح یہ کہہ رہی ہے کہ: **جسدی خالد فی مکة المکرمة...... من اسعد منی فی الدنیا۔** میرا جسم مکہ مکرمہ میں ہمیشہ رہنے والا ہے۔ دنیا میں مجھ سے زیادہ سعادت مند کون ہے؟

موصوف تو ضیوف الرحمٰن میں سے ایک ضیف تھے۔ رحمٰن نے اپنے مہمان کے ساتھ نہایت ہی کریمانہ سلوک کیا اور اُنھیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی رحمت میں داخل کرلیا۔ جس مہمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ اِس قدر اکرام کے ساتھ پیش آئے تو اُسے صبیح الحسن وغیرہ کے مستقبل کی کیا فکر ہوسکتی ہے؟ اُس مہمان کا تو عقیدہ ہی یہ تھا کہ اللہ ہی وکیل وکفیل ہے۔ ویسے بھی اہلِ حرم کی زبان پر بالخصوص خرید و فروخت اور کسی معاہدے کے وقت اللہ وکیل اور اللہ کفیل کے الفاظ جاری رہتے ہیں۔ پھر مرتبۂ شہادت پر فائز ہونے والے کے لیے اِس عالمِ اسباب میں یہ بات بھی باعثِ اطمینان تھی کہ اُس کے والد وکیل ہیں، بڑے بھائی کفیل، اور اِن امور پر نگرانی کے فرائض سرانجام دینے والے المھیمن کی عطاء ہیں۔ عطاء المکرِم اور عطاء المنعم جس کی بھی کفالت میں جائیں گے تو یقیناً خیرالمکفولین ہی کہلائیں گے۔

یوں بھی کفیل کے ایک معنی حصہ کے ہیں، اور ذوالکفل صاحبِ حصہ ہوئے۔ جب کہ کفیل کے معنی ضامن کے ہیں۔ پھر جس ذوالکفل کے ضامن خود کفیل ہوں تو عطاء المکرِم اور عطاء المنعم کو کیا پریشانی لاحق ہوسکتی ہے۔ حدیث میں کفل کے معنی اجر کے بھی آئے ہیں۔ اِس طرح کفیل تو کفلین (دو اجروں) کے مستحق ہوگئے (**فبذلک فلیفرحوا**)۔ اور خود ذوالکفل کے حق میں دائمی اجر ثابت ہوگیا کیونکہ جنت المعلیٰ ایک ایسا مقام ہے جہاں بلا مبالغہ روزانہ سیکڑوں مومنین بنفسِ نفیس خود حاضر ہوکر اِس کے ساکنین کے درجات کی بلندی کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔ جب کہ دعاؤں کی غائبانہ سوغاتیں اِس کے علاوہ ہیں۔

© rasailojaraid.com